دارالقضاء: عائلی تنازعات کو بلا کسی خرچے حل کرنے کا شرعی ادارہ

از: قاضی محمد فیاض عالم قاسمی
قاضی شریعت دارالقضاء ناگپاڑہ، ممبئی

سماجی زندگی میں انسان دو طرح کے حالات سے گزرتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی۔ انفرادی زندگی سے کہیں زیادہ اس کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہوتا ہے؛ بلکہ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ وہ اسی اجتماعیت سے وابستہ رہتا ہے؛ چوں کہ قدرت نے انسان کی فطرت اور مزاج میں تلون رکھا ہے؛ اس لیے انسان کی زندگی میں اختلاف کا پایا جانا ناگزیر ہے۔ یہ اختلاف بعض دفعہ نزاع کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور دو انسان آپس میں دست و گریبان تک ہو جاتے ہیں۔ یہ صورتِ حال ایک شریف آدمی کے مزاج کے خلاف ہے، اس صورتِ حال کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے اختلافات کو ختم کرنے کے لیے کسی تیسری چیز کو معیار اور صواب و خطا کے لیے میزان بنانا پڑے گا؛ اسی لیے دنیا کی ہر قوم اور ہر مذہب میں باہمی اختلافات سے نمٹنے اور مسائل کو حل کرنے کے لیے کسی نہ کسی شکل میں قانون موجود رہا ہے؛ چنانچہ شریعتِ محمدی میں بھی ہر قسم کے اختلافات سے نمٹنے کے لیے ایک مضبوط اور پائیدار قانون موجود ہے، جس سے انسان آسانی سے اپنے تنازعات کو حل کر سکتا ہے۔ اس کام کو جو انجام دے اسے قاضی کہتے ہیں اور وہ جگہ جہاں باہمی تنازعات میں اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ دیا جائے اسے دارالقضاء یا شرعی عدالت کہتے ہیں۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے جھگڑوں کو قرآن وسنت کے مطابق حل کریں۔ قرآن کریم میں ہے: ”اے ایمان والو! اللہ، رسول ﷺ اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو پس اگر تمہارے درمیان جھگڑا ہو جائے تو اس کے تصفیہ کے لیے تم اسے اللہ اور اس کے رسول (کے نائبین) کے پاس لے جاؤ، اگر تم اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور آخرت پر ایمان و یقین رکھتے ہو۔ (سورۃ النساء: ۵۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا : اے علی جب تمہارے پاس دو آدمیوں کا معاملہ آئے تو جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو کوئی فیصلہ نہ کرو۔ (ترمذی حدیث نمبر:۱۳۳۱) یعنی اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے قاضیوں کے لیے ایک رہنما اصول بتادیا کہ جب تک فریقِ ثانی سے رجوع نہ کرلو، اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ دو؛ چنانچہ ہندوستان میں امارتِ شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے دارالقضاؤں میں اسی اصول پر عمل درآمد ہے۔ دارالقضاء سے حصولِ فیصلہ کے لیے دعویٰ اور اپنے حق کی حصولیابی کی درخواست قاضیِ شریعت سے کرنا ضروری ہے۔ درخواست آنے کے بعد فریقِ ثانی سے اس تعلق سے جواب طلب کیا جاتا ہے، پھر کوئی تاریخ متعین کرکے دونوں فریق کو روبرو بٹھا کر ہر ایک کی بات سنی جاتی ہے۔ اس کے بعد شریعت کے مطابق حتی الامکان صلح کی کوشش کی جاتی ہے، صلح ممکن نہ ہونے کی صورت میں شرعی فیصلہ سے ہر فریق کو آگاہ کردیا جاتا ہے۔

بعض دفعہ فریقِ ثانی غائب اور لاپتہ رہتا ہے۔ یا سرکشی اور تعنت کی وجہ سے دارالقضاء میں حاضر نہیں ہوتا ہے۔ اس طرح وہ صاحبِ حق کو اس کے جائز حق سے محروم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسی صورت میں چار ونا چار یکطرفہ فیصلہ کردیا جاتا ہے۔ ایک مظلومہ خاتون کی درد بھری داستان جو اس نے زار وقطار روتی ہوئی دارالقضاء میں بیان کی، ملاحظہ ہو:

شادی کے بعد سے ہی میرے شوہر نے جہیز کا مطالبہ شروع کردیا؛ حالاں کہ شادی کے موقع پر گھر کا مکمل ساز وسامان تقریباً دو لاکھ کا دیا گیا تھا، میرے شوہر محترم کہتے تھے کہ دو لاکھ روپئے نقد اپنے میکہ سے لے کر آؤ؛ تاکہ میں کوئی تجارت کرسکوں، جہیز نہ لانے پر میرے شوہر اور اس کے دیگر رشتہ داروں نے خوب لعن وطعن کیا، گالم گلوچ کیا اور حد تو یہ ہوگئی کہ عید الفطر کے دن مجھے اس قدر مارا کہ سر سے خون نکلنے لگا۔ محلّہ کے لوگوں نے مجھے بچایا تو میرے معزز شوہر نے میری عزت سے کھلواڑ کرتے ہوئے فوراً الزام لگادیا کہ تمہارا ان لوگوں سے ناجائز تعلق ہے؛ اس لیے وہ تمہاری حمایت کررہے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں اپنے میکہ میں آگئی۔ آج تک تقریباً پانچ سال کا عرصہ گزر گیا، اس دوران میرے شوہر نے میری کوئی خبر گیری نہیں لی، نہ کبھی مجھے لینے کے لیے آئے اور نہ میرے معصوم بیٹے کی خیریت معلوم کی۔ تین سال قبل میں نے کورٹ سے رجوع کیا تو محترم فاضل جج صاحب نے عارضی طور پر میرے اور میرے بیٹے کا خرچہ صرف ایک سال تک دلوایا۔ اس کے بعد سے میرے شوہر نے کورٹ میں آنا بند کردیا نیز ہم دونوں ماں بیٹے کا خرچہ بھی دینا بند کردیا۔ وکیل کی فیس تو اللہ کی پناہ! جتنا خرچہ میرے شوہر سے ملا تھا، اس کا ڈبل وکیل کی نذر ہوگیا۔ کورٹ

میں صرف تاریخ پر تاریخ مل رہی تھی۔ میری ماں اور میں صبح سے شام تک کورٹ کے احاطہ میں بیٹھی رہتیں اور اخیر وقت میں معلوم ہوتا کہ اب آئندہ تاریخ پیشی پر آنا ہے۔ کسی دن تو اچھا خاصہ وقت گزرنے کے بعد معلوم ہوتا کہ آج جج صاحب تشریف ہی نہیں لائے ہیں۔ میرے شوہر کے نام کئی بار وارنٹ بھی جاری ہوا، تو پولس والے کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں، وہ اپنے پتہ پر نہیں ہے، ہم کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں؟ ادھر میرے شوہر مجھے یہ کہلوا بھیجتا کہ جو کرنا ہے کرلے میرے خلاف! میرا کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا ہے، پولس والے تو میرے ہاتھ میں ہیں۔

یہ خاتون تقریباً پانچ سال سے اپنے میکہ میں بے یارومددگار پڑی ہوئی ہے۔ اس کے والد کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس کا شوہر نہ اسے طلاق دیتا ہے اور نہ عزت کے ساتھ اپنے گھر میں رکھتا ہے، اس کا اور اس کے آٹھ سالہ بیٹے کا خرچہ کون اٹھائے؟ اس کے میکہ والے بہت غریب ہیں۔ اس نے کورٹ سے مایوس ہوکر مقدمہ کی پیروی کرنا چھوڑ دیا ہے، جس کی بناء پر وہاں سے کیس خارج ہوگیا۔ اب وہ دارالقضاء آکر قاضی شریعت سے انصاف چاہتی ہے۔

دارالقضاء کی طرف سے اس کے شوہر کو بذریعہ رجسٹری ڈاک اطلاع دیکر اس سے جواب طلب کیا گیا، تاکہ دونوں کی بات سن کر کوئی رائے قائم کی جاسکے۔ اس نے پہلی اطلاع وصول کی۔ اس کے بعد کئی اطلاعات اس کے نام جاری کی گئیں؛ لیکن اس نے وصول نہیں کی اور نہ مقدمہ کی پیروی کی۔ اب آپ کی عدالت اس بارے میں کیا فیصلہ کرے گی؟ واضح رہے کہ لڑکی کی عمر شادی کے وقت ۱۸؍سال تھی اور اب ۲۹؍سال ہے۔ اس کی جوانی ڈھلتی جارہی ہے۔

یہ تو ہم نے نمونہ کے طور پر صرف ایک مثال دی ورنہ آج سیکڑوں نہیں ہزاروں ایسی خواتین ہیں، جن کے شوہر ان کے ساتھ مار پیٹ کرتے ہیں، نان ونفقہ سے محروم رکھتے ہیں، ذہنی اور جسمانی تکلیف دیتے ہیں، اگر ایسی عورتیں کورٹ سے رجوع ہوتی ہیں، تو ان کے لیے کورٹ سے آسانی سے اپنا معاملہ حل کرانا، نہایت ہی دشوار ہوتا ہے۔ وکیلوں کی اتنی مہنگی فیس کہ بیچاری عورت یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتی ہے کہ اتنا خرچہ کرنے سے بہتر ہے کہ اسی ظالم شوہر کے ساتھ کسی طرح گھٹ گھٹ کر زندگی گزار لی جائے؛ چنانچہ بہت ساری ایسی عورتیں تکلیفوں کی تاب نہ لاکر خودکشی کرلیتی ہیں، جس کی خبریں ہم اخبار میں پڑھتے رہتے ہیں۔ نیز اگر جلدی فیصلہ ہوجائے تو بھی غنیمت ہے، ہماری عدالتوں کی سست رفتاری کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی نئی نویلی دلہن نے نفقہ کے لیے یا فسخ نکاح کے لیے یا اپنے شوہر کے ظلم وستم سے نجات کے لیے کیس دائر کرتی ہے، تو اس کا فیصلہ اس وقت آتا ہے، جب اس کی جوانی ڈھل چکی ہوتی ہے، اور اگر فریقِ ثانی نے اپیل دائر

کردی تو پھر جوانی کیا ! بڑھاپا کے بعد بھی امید نہیں کی جاسکتی ہے کہ اس کی حیات ہی میں فیصلہ آجائے۔اس کے برخلاف دارالقضاء میں زیادہ سے زیادہ تین ماہ میں مقدمہ فیصل ہوجاتا ہے۔ بہرحال انصاف کے مہنگا ہونے اور فیصلہ کے تاخیر سے آنے کی وجہ سے اس طرح کی مظلوم عورتیں دردر کی ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہیں۔کیا ایسی عورتوں کو انصاف دلانا غیرقانونی ہے؟ کیا ایسی عورتوں کو ان کے ظالم شوہروں سے کم وقت میں نجات دلانا ہندوستانی عدلیہ پر احسان اور اس کا تعاون نہیں ہے؟ کیا دارالقضاء یعنی شرعی عدالتیں کورٹ پر سے اس کے بوجھ کو کم نہیں کررہا ہے؟ کیا یہ سوسائٹی کو پرامن اور پاکیزہ نہیں بنارہا ہے؟

دارالقضاء (شرعی عدالت) کی اہمیت کا اندازہ ہندوستانی عدلیہ کی سست رفتاری کی درج ذیل رپورٹ سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔جس میں بتایا گیا ہے کہ دسمبر تک جموں وکشمیر کے علاوہ دیگر ہندوستانی عدالتوں میں کل 3,13,69,568 (تین کروڑ، تیرہ لاکھ، انہتر ہزار، پانچ سواڑسٹھ) مقدمات زیرالتواء تھے:

سپریم کورٹ: 58,519 (اٹھاون ہزار، پانچ سو، انیس)
ہائی کورٹ: 43,24,742 (تینتالیس لاکھ، چوبیس ہزار، سات سو، بیالیس)
سب اورڈینیٹ کورٹ: 2,69,86,307 (دوکروڑ، انہتر لاکھ، چھیاسی ہزار، تین سوسات)
کل: 3,13,69,568 (جموں کشمیر کے علاوہ)

ان میں سے 79,98,351 (اناسی لاکھ، اٹھانوے ہزار، تین سواکاون) مقدمات ایسے ہیں جو پانچ سال سے زیادہ عرصہ سے زیرالتواء ہیں۔

(Source: Report of National Management Court System 2012) (NMCS)

ایک رپورٹ کے مطابق ۲۰۴۰ء تک زیرالتوا مقدمات کی تعداد پندرہ کروڑ تک پہونچ جائے ہوجائے گی۔ (ٹائمس آف انڈیا ۱۷/جنوری ۲۰۱۳ء) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے آندھرا پردیش کے چیف جسٹس وی، وی، راو کہتے ہیں کہ زیرالتواء مقدمات کو حل کرنے میں ہندوستانی عدلیہ کو ۳۲۰ سال لگیں گے۔(ٹائمس آف انڈیا ۶/مارچ ۲۰۱۰ء) اس رپورٹ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دارالقضاء کورٹ کا کس قدر معاون اور اس کے کاموں میں ہاتھ بٹانے والا ہے۔

۲۰۰۵ء میں وِشوالوچن مدن نامی ایک غیرمسلم وکیل نے سپریم کورٹ میں ایک عرضی دی جس میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، دارالعلوم دیوبند، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، مدھیہ پردیش اور اترپردیش حکومت کو مدعی علیہم بنایا۔اس نے دارالافتاء اور دارالقضاء پر پابندی عائد

کرنے کی درخواست کی۔اس پر بیانات اور کافی بحث ومباحثہ کے بعد مورخہ ۷؍جولائی ۲۰۱۴ء کو سپریم کورٹ نے عرضی گزار کی درخواست کو رد کرتے ہوئے واضح لفظوں میں کہا کہ اس طرح کے ادارے غیر قانونی نہیں ہیں؛ چنانچہ کورٹ کا یہ اقتباس نہایت ہی اہم ہے:

It is not sanctioned under our constitutional scheme. But this does not mean that existence of Dar-ul-Qaza or for that matter practice of issuing Fatwas are themselves illegal. It is informal justice delivery system with an objective of bringing about amicable settlement between the parties. (Case No:386 Civil of 2005)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نظامِ دارالقضاء اگرچہ آئینی اسکیم کے تحت نہیں آتا ہے؛ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دارالقضاء چلانا یا فتویٰ دینا کوئی غیر قانونی کام ہے۔ یہ تو ایک غیر روایتی نظامِ عدل وانصاف ہے، جس کا مقصد دو فریق کے درمیان دوستانہ ماحول میں مصالحت کرانا ہے۔

آج کل یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ دارالقضاء ایک متوازی عدالت ہے، اور یہ لوگ اپنے فیصلوں کو لوگوں پر تھوپتے ہیں؛ حالاں کہ دارالقضاء کے پاس نہ قوت وطاقت ہے اور نہ پولس وفوج، جن کے ذریعہ وہ اپنے فیصلوں پر لوگوں کو عمل کرائے، اور نہ آج تک کسی قاضی یا کسی دارالقضاء نے کسی پر اپنے فیصلے پر عمل کرنے کے لیے دباؤ ڈالا ہے، اور نہ یہ ہندوستان، جیسے جمہوری ملک میں ممکن ہے؛ البتہ یہ مسلمانوں کا ایمانی تقاضہ ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی رہے شریعت کے آگے اپنا سرِ تسلیم خم کردے۔ قاضی کے فیصلہ پر خوشی بخوشی عمل کرے، اس لیے کہ قاضی شریعت کی اطاعت درحقیقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ قرآن کریم میں ہے: نہیں! (اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم، یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے؛ جب تک کہ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے والا تم کو (یا تمہارے نائبین اور وارثین) کو نہ مان لیں، اور تم نے جو فیصلہ کیا اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں؛ بلکہ فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔ لہٰذا شریعت کے اصول وضوابط کے مطابق مقرر کردہ قاضیوں کے فیصلوں کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا شریعت کا حکم اور مسلمانوں کا ایمانی تقاضہ ہے۔ اس کی خلاف ورزی دنیا وآخرت میں خسارہ اور باعث گناہ ہے۔

❁ ❁ ❁